السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف خط

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ایک قاضی کو دوسرے قاضی کی طرف خط لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ ایک آدمی کا حق اگر دوسرے شہر میں ہو، اس کے پاس سے ثابت کرنے اور اس کا مطالبہ کرنے کے لیے یہی طریقہ ہے کہ اس شہر کے قاضی کے پاس اپنا حق ثابت کرے اور اس مقصد کے لیے تحریری درخواست بھیجے تاکہ عدالتی کاروائی مکمل کی جاسکے کیونکہ گواہوں کو سفر کروا کر حاضر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی گواہ ایک شہر میں معروف ہو اور دوسرے شہر میں اسے کوئی جانتا نہ ہو۔ اس صورت میں ایک قاضی کے دوسرے قاضی سے خط کتابت کیے بغیر حق ثابت کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اگر قاضی دوسرے قاضی کو خط لکھے تو اس کے قبول ہونے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے تاکہ حقوق کا اثبات اور اس کا نفاذ ہوسکے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کی طرف خط لکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی، قیصر اور کسریٰ کی طرف خطوط لکھے تھے جس میں انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمال اور اہل کاروں کی طرف خطوط لکھتے تھے جن میں انھیں حالات کے مطابق ہدایات دیتے تھے۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ تحریری طور پر بھیجی ہوئی ہدایات ومعلومات پر عمل کرنا اور فیصلے میں اسے اہمیت دینا شرعاً درست ہے۔

وہ خط قبول ہوگا جو کسی آدمی کے حق سے متعلق ہے۔ حدود اللہ سے متعلق کوئی مکتوب قبول نہ ہوگا: زنا یا شراب کی حد وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقوق اللہ میں ممکن حد تک پردہ پوشی مقصود ہے اور محض شک وشبہ کی بنا پر حدود نافذ نہ ہوں گی۔

(1) قاضی کا قاضی کی طرف خط دو قسم کا ہوتا ہے:۔

1۔ قاضی اپنا فیصلہ تحریر کر کے دوسرے قاضی کی طرف بھیجتا ہے تاکہ وہ اسے نافذ کرے۔ ایسا خط قبول ہوگا، اگرچہ کاتب اور مکتوب الیہ دونوں ایک ہی شہر میں رہتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حاکم کا فیصلہ ہر حال میں نافذ کرنا ضروری ہے ورنہ احکامات معطل ہوں گے اور تنازعات بڑھیں گے۔

2۔ قاضی دوسرے قاضی کی طرف ایسی بات لکھے جو اس کے ہاں متحقق اور ثابت شدہ ہو تاکہ دوسرا قاضی اس کی روشنی میں فیصلے دے۔ اس قسم کی تحریر تب قبول ہوگی جب دونوں قاضیوں کے درمیان کم از کم اس قدر مسافت ہو جس قدر نماز قیصر کے لیے مقرر ہے کیونکہ مکتوب الیہ کی طرف گواہی منتقل کرنا قرب مسافت کی صورت میں جائز نہیں۔

ثابت شدہ امر کی اطلاع دوسرے قاضی کو دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ لکھے: "میرے نزدیک یہ بات متحقق اور ثابت ہے کہ فلاں شخص کا فلاں پر یہ حق ہے۔"

(یاد رہے کہ اس قسم کی تحریر فیصلہ قرار نہیں دی جاسکتی بلکہ یہ ایک چیز کے تحقق کی اطلاع ہے (جس کی روشنی میں دوسرا قاضی اپنا فیصلہ صادر کرے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمة اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مکتوب الیہ (قاضی) غیر معین بھی ہوسکتا ہے، مثلاً: قاضی کہے: میری یہ تحریر بلا تعین مسلمانوں کے ان تمام قاضیوں کی طرف ہے جن کو یہ خط پہنچے، لہذا یہ تحریر جس قاضی تک پہنچ جائے اسے قبول کرنا ایسے ہی ضروری ہے جیسے کسی معین قاضی کی طرف لکھی گئی تحریر۔"

(2)۔ قاضی کا خط قاضی کے لیے تب قبول ہوگا جب لکھنے والا اپنا تحریر پر دو عادل گواہوں کی شہادت ثبت کرے گا۔ اس کے بارے میں علماء کی دوسری رائے یہ ہے کہ ایک قاضی کے لیے دوسرے قاضی کی تحریر پر عمل کرنا تب جائز ہے۔ جب وہ لکھنے والے قاضی کا انداز تحریر پہچانتا ہو، اس صورت میں گواہوں کی ضرورت نہیں۔ امام احمد رحمة اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔ اس دور میں گواہوں کے بجائے قاضی کی تحریر کے نیچے اس کے دستخط اور عدالت کی مہر لگا دی جائے تو کافی ہے۔

امام ابن قیم رحمة اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ تحریر پر اعتماد کر کے کاروائی کرنا درست ہے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ عنھم اجمعین بھی اس پر عمل کرتے رہے۔ علم کے میدان میں تحریر کا ذریعہ ہمیشہ سے قابل اعتماد رہا ہے۔ اس پر عمل چھوڑ دیا جائے تو شریعت کے بہت سے احکام معطل ہو کر رہ جائیں۔" [1]

شہادت پر شہادت

شہادت پر شہادت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کہے: "میری فلاں گواہی پر گواہ رہو یا گواہ رہو کہ میں فلاں فلاں بات کی گواہی دیتا ہوں وغیرہ۔" اس میں نیابت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ فقہ میں اصلی گواہ کو "شاہد الاصل" اور اس کے نائب کو "شاہد الفرع" کہا جاتا ہے۔

علامہ ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے مالی امور میں گواہی پر گواہی کے جواز پر حجاز اور عراق کے علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسکے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسان کی ضرورت ہے۔ اگر اس کو قبول نہ کیا جائے تو وہ گواہیاں کالعدم ہوجائیں گی جو وقف کے بارے میں ہوں اور انھیں حاکم کے پاس ثابت کرنے میں تاخیر ہوجائے یا اس کے گواہ فوت ہوگئے ہوں۔ اس کے نتیجے میں لوگوں کا نقصان ہوگا اور بہت مشقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے شاہد الاصل کی طرح گواہی پر گواہی کو بھی قبول کرنا ضروری ہے۔

(3) گواہی پر گواہی کے قبول ہونے کے لیے چند ایک شرائط یہ ہیں: ۔

1۔ شاہد الاصل اپنے شاہد الفرع کو اس کی اجازت دے کیونکہ شاہد الفرع کا عمل نیابت کے حکم میں ہے اور نیابت اصل کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوتی ۔

2۔ یہ شہادت ایسی صورت میں ہو جس میں قاضی کی تحریر دوسرے قاضی کے لیے مقبول ہوتی ہے، یعنی حقوق العباد سے متعلق ہو نہ کہ حقوق اللہ سے متعلق ۔

3۔ شہادۃ الفرع وہاں قبول ہوگی جہاں شہادۃ الاصل کا پیش کرنا مشکل ہو اور یہ مشکل موت، مرض، طویل مسافت کے سفر (جس میں نماز قصر کی جاسکتی ہو) یا بادشاہ کے خوف وغیرہ کی صورت میں ہو سکتی ہے۔

4۔ شاہد الاصل کا عذر مقدمے کا فیصلہ ہوجانے تک قائم رہے۔

5۔ شاہد الاصل اور شاہد الفرع دونوں فیصلہ ہونے تک عدالت (تقویٰ و نیکی) پر برقرار ہوں۔

6۔ شاہد الفرع کو شاہد الاصل نے متعین کیا ہو جس کی طرف سے وہ گواہی دے رہا ہے۔

<u>گواہوں کا رجوع</u>

گواہوں کے گواہی سے رجوع کرلینے کی صورت میں درج ذیل تین باتیں قابل غور ہیں :

1۔ اگر مالی امور سے متعلق فیصلہ مل جانے کے بعد گواہ رجوع کرلیں تو فیصلہ متاثر نہ ہوگا کیونکہ اسکے تقاضے پورے ہوچکے ہیں، لہذا فیصلہ نافذ ہوگا، البتہ گواہوں کے ذمے تاوان ہوگا کیونکہ وہ قصوروار ثابت ہوئے ہیں کہ انھوں نے صاحب حق کے بجائے دوسرے شخص کو مال کا مالک بنانے کی کوشش کی۔

2۔ اگر قاضی ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے کوئی فیصلہ دے، پھر گواہ رجوع کرلے تو سارے مال کا تاوان اکیلے گواہ پر ہوگا کیونکہ دعوے میں وہ حجت تھا۔ باقی رہی قسم تو وہ ایک فریق کے قول کے درجے میں تھی اور فریق کا قول محض فیصلہ کرنے میں قبول نہیں ہوتا بلکہ وہ فیصلے کے لیے ایک شرط تھا۔

3۔ اگر قاضی کے فیصلہ دینے سے قبل ہی گواہی رجوع کرلیں تو کی گئی کاروائی کالعدم ہوجائے گی۔ اب نہ (اس گواہی کے مطابق) فیصلہ ہوگا نہ کسی پر تاوان۔ واللہ اعلم۔

<u>دعوے میں قسم اٹھانے کا بیان</u>

قسم بھی فیصلہ کرنے کے طریقوں میں شامل ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"والیمین علی من أنکر"

"اور قسم اس پر ہے جو (دعوے) انکار کرے۔ "[2]

قسم منکرِ دعویٰ (مدعا علیہ) کی طرف سے ہوتی ہے بشرطیکہ مدعی کے پاس دلیل نہ ہو۔ قسم جھگڑے کو ختم کردے گی، یعنی قسم اٹھانے سے اس کے حق میں فیصلہ ہوجائے گا لیکن قسم اٹھا کر اگر کسی نے شے پر ناحق قبضہ کرلیا تو وہ شے جائز نہ ہوگی۔ اگر مدعی نے مدعا علیہ کی قسم کے بعد گواہ پیش کردیے تو گواہوں کی گواہی سنی جائے گی اور ان کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ بھی ہوگا۔ اسی طرح اگر مدعا علیہ نے قسم اٹھالینے کے بعد رجوع کرلیا اور لیا ہوا مال واپس کردیا تو اس کا یہ عمل قبول ہوگا اور مدعی کے لیے اسے وصول کرنا جائز ہوگا۔

(1) قسم حقوق العباد کے دعوے کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی رہے حقوق اللہ تو اس میں قسم نہیں لی جائے گی، مثلاً: عبادات اور حدود وغیرہ، لہذا اگر ایک آدمی نے کہا: میں نے زکاۃ ادا کردی ہے یا میرے ذمے کفارہ یا نذر نہیں ہے تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی پر جنایت کی وجہ سے حد جاری ہوسکتی ہے لیکن وہ اس کا انکار کررہا ہے تو اس سے قسم کا مطالبہ نہ ہوگا کیونکہ اسے چھپانا مستحب ہے، نیز اگر اس نے کسی حد کا اقرار کرکے، پھر رجوع کرلیا تو اس کا رجوع قبول ہوگا اور اسے چھوڑ دیا جائے گا، لہذا اقرار نہ کرنے کی صورت میں اس سے بالاولیٰ قسم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

(3) حقوق العباد کے دعوے میں قسم کی اہمیت اور اس کا اعتبار تب ہوگا جب مدعی گواہ پیش نہ کرسکے، پھر قاضی مدعا علیہ کو قسم اٹھانے کا حکم دے، اس طرح مدعا علیہ کی قسم مدعی کے جواب میں ہوگی۔

(4) قسم کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ وہ قاضی کی مجلس میں ہو۔

(5) قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ہو، غیر اللہ کی قسم شرک ہے۔

(6) قسم میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کافی ہے۔ اگر کسی نے کہا: "اللہ کی قسم" تو یہ کافی ہے کیونکہ یہ قسم کتاب اللہ میں وارد ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: :

"وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ"

ان لوگوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کھائیں۔ "[3]

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

"فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ

پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں۔ "[4]

ایک اور مقام پر فرمایا:

" أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ

چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے۔ "[5]

اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "اللہ" باری تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، اس کا اطلاق اس کے سوا کسی دوسرے پر نہیں ہوتا۔

(7) ۔ قسم میں تاکیدی الفاظ صرف ان معاملات میں استعمال کیے جائیں گے جن کی بہت زیادہ اہمیت ہے، مثلاً: ایسا جرم جس سے قصاص، دیت یا کفارے کے طور پر غلام آزاد کرنا واجب نہیں ہوتا، اس صورت میں قاضی تاکیدی الفاظ کے ساتھ قسم کھانے کا حکم دے سکتا ہے، مثلاً: "اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو پوشیدہ اور ظاہر معاملات سے باخبر ہے جو مواخذہ کرسکتا ہے، غالب ہے، جو نفع نقصان کا مالک ہے، جو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کی پوشیدہ باتوں سے باخبر ہے۔"

(8) ۔ اگر مدعی فریق ایک سے زیادہ افراد پر مشتمل ہو مدعا علیہ ایک آدمی ہو تو مدعا علیہ ہر مدعی کے لیے الگ الگ قسم اٹھائے گا کیونکہ ہر ایک کا اپنا حق ہے الا یہ کہ اگر وہ ایک قسم لینے پر رضا مند ہو جائیں تو کافی ہوگی کیونکہ تمام مدعی افراد اپنے حق (مطالبہ قسم) سے خود ہی دستبردار ہوئے ہیں۔

<u>اقرار کے احکام</u>

اقرار "کسی کے حق کا اعتراف کرنے "کا نام ہے جو کہ مقر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں: "مکان" گویا کہ اقرار کرنے والا حق کو اسکی جگہ پر رکھ دیتا ہے۔

اقرار یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کے حق کے بارے میں مبنی بر حقیقت خبر دینا ہے، مزید نئے حق کا اثبات اقرار نہیں کہلاتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تحقیقی بات یہ ہے کہ اگر مخبر ایسے حق کی خبر دے جسے اس نے ادا کرنا ہے تو یہ اقرار ہے اور اگر ایسے حق کی خبر دے جو اس نے دوسرے سے لینا ہے تو وہ مدعی ہے اور اگر ایسے حق کے بارے میں خبر دے جو کسی نے کسی اور شخص سے لینا ہے (اگر اس کے پاس وہ حق بطور امانت تھا) تو اسے مخبر کہیں گے ورنہ وہ گواہ کہلائے گا، لہذا قاضی، وکیل، کاتب، یعنی منشی اور وصی (وصیت کرنے والا) یہ تمام حضرات اپنی اپنی ذمے داری کو ادا کرنے کی وجہ سے امانت دار ہیں، لہذا وکیل وغیرہ اپنے منصب سے معزول ہونے کے بعد جو خبر دیں وہ اقرار نہیں، عام خبر ہے۔ اقرار کسی نئی ذمے داری کا نام نہیں بلکہ جو چیز یا صورت حال پہلے سے موجود ہے اسی کا اظہار اور اطلاع ہے۔ "[6]

(1) ۔ صحت اقرار کے لیے یہ شرط ہے کہ اقرار کرنے والا عاقل و بالغ ہو، لہذا بچے، مجنون اور سوئے ہوئے شخص کا اقرار معتبر نہ ہوگا، البتہ اگر بچے کو تجارت میں لین دین کی محدود اجازت ہے تو محدود حد تک اس کا اقرار بھی معتبر ہوگا۔

(2) ۔ اقرار کرنے والے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ حالت اختیار میں اقرار کرے، لہذا زبردستی کا اقرار معتبر نہ ہوگا۔

(3) ۔ صحت اقرار کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اقرار کرنے والا ایسا شخص نہ ہو جسے مالی تصرف سے روک دیا گیا ہو، لہذا نادان اور بے وقوف کسی مال کا اقرار کریں تو وہ معتبر نہ ہوگا۔

(4) ۔ یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایسی شے کا اقرار نہ کرے جو دوسرے کے ہاتھ میں ہو یا دوسرے کی سرپرستی میں ہو، جیسے کسی اجنبی شخص نے کسی بچے کے ذمے کسی چیز کا اقرار کیا یا ایک شخص کے زیر انتظام وقف کے بارے میں دوسرا آدمی اقرار کرے کہ اس وقف کی چیز کے ذمے فلاں فلاں ادائیگی ہے تو یہ اقرار معتبر نہ ہوگا۔

(5) ۔ اگر اقرار کرنے والے نے دعویٰ کیا کہ اسے اقرار کرنے پر مجبور کیا گیا تھا، اس نے اپنی مرضی سے اقرار نہ کیا تھا تو اس کی بات قبول کی جائے گی بشرطیکہ اس کے دعوے کی سچائی پر کوئی قرینہ یا گواہ موجود ہو۔

(6) ۔ اگر کوئی مریض اپنے مال کے بارے میں ایسے شخص کے لیے اقرار کرے جو اس کا شرعاً وارث نہیں تو اس کا اقرار درست تسلیم ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس پر کسی تہمت کا اندیشہ نہیں، نیز حالت مرض میں انسان اپنے لیے محتاط ہوتا ہے اس سے ایسی توقع کم ہی ہوتی ہے۔

(7) ۔ اگر کسی انسان نے ایک شے کا دعویٰ کیا جس کی دوسرے فریق (مدعا علیہ) نے تصدیق کردی تو اس کی تصدیق درست تسلیم ہوگی اور اسے اقرار سمجھا جائے گا۔ کشف الخفاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لاعذر لمن أقر

جس نے اقرار کرلیا اس کا کوئی عذر باقی نہ رہا۔ "[7]

(8) ۔ جس لفظ سے بھی اقرار کا مفہوم ادا ہو جائے وہی صحیح ہے، مثلاً: مدعا علیہ کہے: "تم نے سچ کہا" یا "ہاں" کہہ دے کا کہے: "میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔"

(9). اقرار میں نصف یا اس سے کم کا استثناء درست ہے۔ اگر کسی نے کہا: "میرے ذمے فلاں کے دس روپے ہیں مگر پانچ" تو اس پر پانچ روپے لازم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں استثناء وارد ہوا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا"

"[8] اور بلاشبہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا)، چنانچہ وہ پچاس کم ایک ہزار برس ان کے درمیان رہا۔"

نصف سے اکثر کے استثناء کو علماء کی کثیر تعداد نے جائز قرار دیا ہے۔

(10). اقرار میں استثناء کی صحت کے لیے اس کا الفاظ میں متصل ہونا شرط ہے۔ اگر اس نے کہا: "میں نے اس کے سو روپے دینے ہیں۔" پھر وہ اس قدر خاموش رہا کہ اس وقفہ میں کوئی بات کرنا ممکن تھی (لیکن نہ کی)، پھر کچھ دیر کے بعد کہا: "کھوٹے" یا "ادھار" تو اس کے ذمے سو روپے کھرے اور نقد ہوں گے۔ خاموشی کے بعد اس نے جو کہا وہ قابل التفات نہ ہوگا کیونکہ یہ حیلہ کر کے ایک ایسے حق کو ختم کر رہا ہے جس کی ادائیگی اس پر لازم ہے۔

(11). اگر کسی نے ایک شے بیچ دی یا ہبہ کر دی یا لونڈی، غلام کو آزاد کر دیا اور پھر اقرار کرتے ہوئے کہا: یہ شے دوسرے آدمی کی تھی تو اس کی بات قبول نہ ہوگی۔ اور اگر بیع کا معاملہ ہے تو وہ فسخ نہ ہوگی کیونکہ یہ اقرار کسی اور کے بارے میں ہے، البتہ اس پر ضروری ہوگا کہ جس کے حق کا اقرار کیا تھا، اس کا نقصان پورا کرے کیونکہ اس کے تصرف کی وجہ سے وہ مال مالک کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

(12). مجمل شے کا اقرار کرنا درست ہے، یعنی جس میں اقرار کرنے والے کے نزدیک دو یا زیادہ اشیاء میں سے کوئی بھی مراد لیے جانے کا امکان ہو، مثلاً: جب کسی انسان نے کہا: "میں نے فلاں شخص کو کوئی شے ادا کرنی ہے۔" تو اس کا اقرار درست ہوگا، البتہ اقرار کرنے والے کو اقرار کی وضاحت کرنے کا کہا جائے گا تاکہ اس کی ادائیگی اس کے ذمے لازم قرار دی جاسکے۔ اگر وہ انکار کر دے تو اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک اقرار کی وضاحت نہ کر دے۔ یہ اس کی ذمے داری ہے۔ اگر اس نے کہا: "مجھے معلوم نہیں کہ میں نے کسی چیز کا اقرار کیا ہے تو اسے قسم اٹھانے کو کہا جائے گا اور اس پر کم از کم جرمانہ عائد ہوگا۔ اگر وہ وضاحت سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ مال چھوڑ کر مرا ہو کیونکہ احتمال ہے کہ اس نے جو اقرار کیا تھا وہ مال نہ ہو۔

(13). اگر کسی نے کہا: میں نے فلاں شخص کے ایک ہزار روپے سے کم دینے ہیں تو استثناء کی مقدار نصف سے کم سمجھی جائے گی۔

(14). اگر کسی نے کہا: اس دیوار سے لے کر اس دیوار تک فلاں کی زمین ہے تو اس اقرار میں دیواریں شامل نہیں ہوں گی کیونکہ اس نے درمیانی جگہ کا اقرار کیا ہے۔

(15). اگر کسی نے اقرار کیا کہ یہ درخت فلاں کے ہیں تو اس کے اقرار کا اطلاق اس زمین پر نہیں ہوگا جہاں درخت نہیں ہیں، لہذا اگر یہ درخت ختم ہو جائیں تو وہاں وہ نئے درخت لگانے کا حقدار نہ ہوگا۔ اور زمین کا مالک ان درختوں کو اکھاڑ بھی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس نے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے (مثلاً: زمین کے مالک کی اجازت سے) لگائے ہوں گے، البتہ اگر اس نے اقرار میں باغ کا نام لیا تو اس اقرار میں درخت، عمارت اور زمین سب اشیاء شامل ہوں گی کیونکہ باغ کا اطلاق ان تمام چیزوں پر ہوتا ہے۔

(16). اگر کسی نے کہا: میرے ذمے فلاں شخص کی کھجوریں ہیں جو تھیلی میں ہیں یا چھری ہے جو کور میں ہے یا کپڑا ہے جو رومال میں بندھا ہوا ہے تو یہ کھجوروں، چھری اور کپڑے کا اقرار ہوگا تھیلی، کور اور رومال کا نہیں۔ اسی طرح کسی بھی چیز کا اقرار کرتے وقت اس کا دوسری چیز میں ہونے کا ذکر کیا جائے تو وہ صرف پہلی چیز کا اقرار ہوگا کیونکہ ظرف اور مظروف کا ایک ہی شخص کی ملکیت ہونا ضروری نہیں اور احتمال کے ساتھ اقرار لازم نہیں ہوتا۔

(17). اگر کسی نے کہا: "یہ شے میرے اور فلاں شخص کے درمیان مشترک ہے۔" تو شریک کا حصہ معلوم کرنے کے لیے اقرار کرنے والے سے رجوع کیا جائے گا۔ بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شے دونوں میں نصف نصف ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مطلق شراکت کا اقرار دونوں شریکوں میں شے کے برابر برابر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

"فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ "

"[9] یہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔"

(18). جس شخص کے ذمے کسی کا کوئی حق ہے تو اس کا اقرار اور ادائیگی کا بندوبست اسی وقت واجب ہو جاتا ہے جب اس کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ"

"[10] اے ایمان والو!) عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولا کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ"

"اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے" [11]

شیخ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الکافی" میں لکھتے ہیں:

"آیت میں وارد کلمہ "املال" اقرار کے معنی میں ہے اور اقرار کے سبب فیصلہ دینا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:"

"وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا"

[اے انیس! علی الصبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے رجم کردینا۔ "[12]"

حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنو غامد قبیلے کی عورت کو ان کے اقرار کرنے کے سبب رجم کروایا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اقرار کے سبب حکم اور فیصلہ صادر ہوگا۔ اس کی یہ وجہ ہے بھی ہے کہ جب گواہی کی بنیاد پر فیصلہ دینا واجب ہے تو اقرار کی بنیاد پر فیصلہ دینا بالاولیٰ واجب ہے کیونکہ گواہی کی نسبت اقرار میں کذب بیانی کا امکان کم ہوتا ہے۔

اللہ رب العالمین کا بے حد شکر ہے کہ یہ مختصر کتاب مکمل ہوئی، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر اس کتاب میں کوئی نقص یا خطا واقع ہوئی ہو تو معاف کردے۔ اور اسے ہمارے لیے اور قارئین کرام کے لیے نفع مند بنائے اور ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق دے۔ آمین!

---

[1]۔اعلام الموقعین 2/127۔

[2]۔سنن الدارقطنی 3/111و 4/217حدیث 3165و4462۔

[3]۔الانعام 6/109۔

[4]۔المائدۃ: 5/107۔

[5]۔النور 6/24۔

[6]۔الفتاویٰ الکبریٰ الاختیارات العلمیۃ الاقرار 5/581۔

[7]۔کشف الخفاء للعجلونی 2/493۔

[8]۔العنکبوت 29/14۔

[9]۔النساء 4/12۔

[10]۔النساء 4/135۔

[11]۔البقرۃ 2/282۔

[12]۔ صحیح البخاری الوکالۃ باب الوکالۃ فی الحدود حدیث 2314۔2315۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہی احکام ومسائل

قضاء کے مسائل: جلد 02: صفحہ 521